خطوط عبدالحق

مرتبہ
محمد اکبرالدین صدیقی
لکچرار ایوننگ کالج
عثمانیہ یونیورسٹی

خطوط عبدالحق

مرتبہ
محمد اکبرالدین صدیقی
لکچرار ایڈ ٹریننگ کالج
عثمانیہ یونیورسٹی

کتاب - خطوط عبدالحق

مرتب - محمد اکبرالدین صدیقی

ناشر - حیدرآباد اردو اکیڈیمی

قیمت - پانچ روپے

ملنے کے پتے

۱- حیدرآباد بک سنس۔ مچھلی کمان حیدرآباد ۲

۲- نیشنل بک ڈپو۔ مچھلی کمان حیدرآباد ۲

۳- رائٹرس امپوریم پرائیوٹ لمیٹیڈ
خورشید بلڈنگ سر فیروز شاہ مہتا روڈ بمبئی ۱

۴- مکتبہ جامعہ نئی دہلی۔

۵- محمد اکبرالدین صدیقی- چار قندیل- آغاپورہ حیدرآباد ۱

اعجاز پرنٹنگ پریس- چھتہ بازار- حیدرآباد ۲

پیش لفظ

مولوی عبدالحق بابائے اردو سے نیاز حاصل کرنے کا مجھے اس وقت اتفاق ہوا جب میں بی-اے کے آخری سال میں آکر پہلی دفعہ پڑھنے کیلئے اُن کے کمرہ میں پہنچا۔ (مولوی صاحب کلاس اپنے کمرہ ہی میں لیتے تھے) کتاب کھلی- ایک دو سطریں بھی پڑھنے نہ پائے تھے کہ باتیں شروع ہوئیں کبھی سرسید کے بارے میں کبھی حالی کے متعلق غرض باتیں ادب سے باہر نہ ہوتیں اور زبان نہایت شستہ اور شائستہ ہوتی۔ روز کا یہی معمول تھا ہمارا تعلیمی سال ختم ہوا اور مولوی صاحب اس سے کچھ پہلے ہی وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہوکر اورنگ آباد اور پھر دہلی چلے گئے- آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد بھی مولوی صاحب سے شرف ملاقات کا موقع ملتا رہا۔

مولوی صاحب کے خطوط کے تین مجموعے اردو مصفّیٰ مکتوبات عبدالحق اور مکاتیب بابائے اردو (اما می صاحب) منظر عام پر آئے- ۔ان کے علاوہ رسایل میں بھی مولوی صاحب کے اکثر و بیشتر خطوط شائع ہوئے ہیں لیکن ان خطوط کو اگر بغور پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھیں بہ آسانی دو حصوں میں تقسیم کر دیا جا سکتا ہے۔ ایک تو وہ خطوط ہیں جو مولوی صاحب نے اپنے کرم فرماؤں اور مساوی مرتبہ رکھنے والوں کے نام لکھے دوسرے وہ خطوط ہیں جو ان کے نیاز مندوں کے نام ہیں۔

پیش نظر مجموعہ میں ایسے خطوط ہیں جو مولوی صاحب نے اپنے ماتحتین کو لکھے۔ یہ ایسے ماتحت حضرات ہیں جو بلحاظ تنخواہ ایک اور بیس تا چالیس کا تناسب رکھتے ہیں۔ انھیں مولوی صاحب نے ملازمتیں دلوائیں ان کو ترقی کے مواقع فراہم کئے اور پھر

ان کے بچوں کا بھی خیال رکھا۔

اس مجموعہ کی ابتدا ظفر الرحمن مرحوم کے موسومہ خطوط سے ہوتی ہے۔ ظفر الرحمن کے والد لطیف الرحمن تھے جو دلی میں نہوہ خاں کی مسجد کے قریب رہتے تھے ظفر الرحمن دلی ہی میں ۱۹۰۸ء پیدا ہوئے ۱۹۲۵ء میں انٹرنس کامیاب ہوئے۔ اور سید ہاشمی فرید آبادی کے توسط سے مولوی صاحب سے متعارف ہوئے۔ مولوی صاحب نے انھیں پہلے تو انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کے دفتر میں ملازم رکھ لیا اور پھر مدرسی پر مامور کر دیا اس کا ذکر خطوط میں موجود ہے۔ ظفر الرحمن نے مولوی صاحب کی نگرانی میں "فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں" جیسی اہم کتاب لکھی۔ اس کے لئے وہ ہر قسم کے ہنرمندوں کے پاس گئے اور ایک ایک چیز کا نام پوچھ کر لغت تیار کی۔ اس سے ان کی محنت کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جس نے کبھی اس قسم کا کام انجام دیا ہو۔

ان کا دوسرا اہم کارنامہ "ہماری کہاوتیں" ہے۔ یہ ابھی شائع نہیں ہوئی اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں کی تالیف کے سلسلے میں جو کتابیں پڑھیں ان میں سے بعض میں کہیں کہیں کہاوتیں، ہند و حکمت کی باتیں، چٹکلے اور رمزیہ کلام بھی درج پائے۔ ان میں سے منتخب امثال و اقوال یادداشت کے لئے نقل کر لئے جن کا ایک دلچسپ مختصر مجموعہ تیار ہو گیا"۔

"ہماری کہاوتیں" اسی کشکول سے نکلی ہے یہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے دفتر میں پہنچ چکی ہے۔ خدا کرے کہ جلد شائع ہو جائے۔

ظفر الرحمن بڑی دلچسپی اور لگن سے کام کرنے والے آدمی تھے۔ مولوی صاحب نے انھیں ایسا خشک موضوع دیا تھا کہ اس میں گل و گلزار کھلانا اور شہرت کے زینے

طے کرنا مشکل تھا لیکن انھوں نے جہاں مولوی صاحب کے حکم کی تعمیل کی وہیں اردو کو بھی ایک ایسی کتاب دی جس کو وہی ترتیب دے سکتے تھے اور جس کو حیات دوام حاصل رہے گی۔

ظفر الرحمٰن ابتدا میں انجمن سے متعلق رہے اور پھر مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد میں مدرس ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کا تبادلہ حیدرآباد ہوگیا جہاں وہ فوقانیہ اعتبار چوک اور فوقانیہ متعدپورہ وغیرہ میں اردو فارسی پڑھاتے رہے اور یہیں سے وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہوئے۔

ظفر الرحمٰن جب حیدرآباد آگئے تو مولوی صاحب سے دور ہوگئے لیکن کام برابر کرتے رہے۔ مولوی صاحب حیدرآباد اکثر بیشتر آتے تو ملاقاتیں ہوتیں۔

کھانا پکانا خوب جانتے تھے۔ مولوی صاحب کی مرغوب طبع غذائیں خود پکاتے اور پیش کرتے اس کا ذکر بھی بعض خطوط میں ملے گا۔

سیدہ ہاشمی فرید آبادی کی ایک بہن بھوپال میں مرزا آفاق علی بیگ سے منسوب تھیں اسی تعلق سے ظفر الرحمٰن کی شادی آفاق علی بیگ کے بڑے بھائی کی لڑکی سے ہوئی اور ظفر الرحمٰن کا تعلق بھوپال سے ہوا۔ ان کے چار لڑکے مبین الرحمٰن حسین الرحمٰن ضیاء الرحمٰن اور معین الرحمٰن اور تین لڑکیاں میمونہ سلطانہ اور آمنہ ہیں سب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔

مولوی صاحب کے دوسرے مکتوب الیہ سید ساجد علی صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ہیں جو مدھیہ بھارت کے ایک قصبہ چھاؤنی نیمچ میں ۱۲ جولائی ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۹۱۶ء میں علیگڈھ سے گریجویٹ ہوئے۔ سر راس مسعود کے دور نظامت تعلیمات میں مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد میں معلمی پر تقرر ہوا۔ وہاں یہ اس جماعت کو پڑھانے لگے جو مولوی اور منشی کامیاب طلباء کی تھی اور جنھیں انگریزی کا امتحان دے کر یونیورسٹی کی ایف اے جماعت میں شرکت کرنی تھی جس کی اس وقت داغ بیل ڈالی جا رہی تھی

حکومت نے انھیں بی۔ ٹی کی ٹریننگ کیلئے ڈھاکہ بھیجا اور واپسی پر انھیں ٹریننگ اسکول حیدر آباد میں متعین کیا۔ یہاں سے وہ ترقی پاکر مہتمم تعلیمات ضلع پربھنی ہوکر مولوی صاحب کے ماتحت آگئے۔ اس وقت مولوی صاحب لغت کی تدوین شروع کرچکے تھے اور چونکہ وہ ساجد علی صاحب کی صلاحیتوں سے واقف تھے اس لئے لغت میں حرف (R) کے تیس صفحے ان کے حوالے کئے۔ خطوط میں اس کا ذکر ملے گا۔

کام کی وجہ سے مولوی صاحب سے تعلقات دن بدن گہرے ہوتے گئے اور ایک دن ساجد علی صاحب مولوی صاحب کی جگہ اورنگ آباد کے صدر مہتمم تعلیمات بن گئے کچھ دن بعد ان کا تبادلہ حیدر آباد کی صدر مہتمی پر ہوا اور پھر نائب ناظم تعلیمات بنائے گئے اور ۴ جنوری ۱۹۵۲ء کو اسی عہدہ سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ حصول وظیفہ کے بعد بھی ساجد علی صاحب کی علمی خدمات جاری ہیں وہ پہلے فوقانیہ انوار العلوم کے پرنسپل رہے اس کے بعد اشرف المدارس کی مجلس انتظامی کے میر مجلس رہے۔ اب ممتاز یار الدولہ وقف کے ٹرسٹی ہیں اور انوار العلوم ہائی اسکول کے مشیر تعلیم اور انوار العلوم کالج کے بورڈ کے رکن ہیں اور اس طرح نہایت خاموشی اور سکون کے ساتھ قوم میں علم کی توسیع و اشاعت میں مصروف ہیں۔

مولوی صاحب کے تیسرے مکتوب الیہ منشی محمد علی ہیں والد کا نام محمد حسین تھا۔ محمد حسین مرحوم بہت عاجز معاش اور کثیر العیال تھے اور بڑی عسرت میں بسر ہوتی تھی۔ جب محمد علی صاحب اپنی مختصر سی تعلیم سے فارغ ہوئے تو ۱۹۱۰ء میں صدر مہتمی تعلیمات میدک میں دس روپے تنخواہ پر منصرم اہلکار ہوئے یہ دفتر ان کے محلہ عثمان پورہ حیدر آباد ہی میں تھا اور صدر مہتمم گوبند رام چندر کالے تھے کالے صاحب تین ماہ کی رخصت پر پونا گئے اور مولوی عبدالحق جو اسوقت رجسٹرار مجلس وضع قوانین (مدرسہ آصفیہ) تھے۔ منصرم صدر مہتمم بن کر آئے۔ وہ اپنے ساتھ ایک امیدوار کو بھی لائے اور

پہلے دن ہی جائزہ دینے کے بعد منشی محمد علی صاحب کے نام قلم زد کر کے اپنے آوردہ امیدوار کا نام لکھ دیا۔ سررشتہ دار صاحب نے محمد علی صاحب کو علیحدگی کی اطلاع دی وہ گھر بیٹھ گئے اور اپنے کرم فرما گوبند رام چندر کالے صاحب کو اس سانحہ کی اطلاع دیدی۔ ایک ہفتہ بعد انھوں نے جواب دیا۔ ممکن ہے کچھ غلط فہمی کی بنا پر ایسا ہوا ہو میں انھیں خط لکھ رہا ہوں ہر مہینے کی تیسری تاریخ کو کالے صاحب نے محمد علی صاحب کے نام تیس روپے کا منی آرڈر بھی کر دیا اور کوپن پر یہ لکھ دیا کہ میں نے عبدالحق صاحب کو تمہارے بارے میں خط لکھ دیا ہے اور تمہیں ملازمت ملنے تک ہر ماہ تیس روپے کا منی آرڈر کرتا رہوں گا۔

کالے صاحب کا خط جب مولوی صاحب کو ملا تو انھوں نے محمد علی صاحب کو بلایا اور منصرم جایداد پر پھر سے تقرر کر دیا کالے صاحب نے اپنی رخصت میں توسیع کرنی چاہی اور محمد علی صاحب کو خط لکھا کہ استحقاق دیکھ کر اطلاع دو کہ کتنی رخصت لی جا سکتی ہے، خط آنے کی یہ اطلاع شدہ شدہ مولوی صاحب کے کانوں تک پہنچی اور انھوں نے تعجب کیا کہ صدر مہتمم صاحب نے ایک مسلمان نوجوان اور منصرم لڑکے کو اس قدر اپنے اعتماد میں لیا ہے کہ اس سے اپنے استحقاق رخصت کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ مولوی صاحب دورہ پر نکلے اور محمد علی صاحب کو بھی ساتھ لیا۔ پھر اکثر دوروں کے موقع پر انھیں ساتھ رکھا اور ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب ناظم تعلیمات سے طے کر لیا کہ کالے صاحب کی چھ مہینے کی رخصت منظور کر دیں گے اور محمد علی صاحب کو خود اپنی جیب سے کرایہ دے کر پونا بھیجا کہ کالے صاحب سے چھ ماہ کی رخصت کی درخواست لے آئیں۔ محمد علی صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی۔ چند دن بعد کالے صاحب کا تبادلہ اورنگ آباد کی صدر مہتممی پر ہو گیا اس لئے کارگذار صدر مہتمم مولوی عبدالحق صاحب کو اورنگ آباد جانا تھا انھوں نے

محمد علی صاحب کو ساتھ چلنے کیلئے کہا اور وعدہ کیا کہ وہ مستقل ملازمت دلا دیں گے چنانچہ محمد علی صاحب ۱۹۱۱ء میں مولوی صاحب کیساتھ اورنگ آباد پہنچے اور صدر مہتممی اورنگ آباد میں اہلکار منشی مقرر ہوئے۔ محمد علی صاحب نے دفتری امور کی انجام دہی کے علاوہ جب ۱۹۱۲ء میں انجمن کا دفتر قائم ہوا تو اس کا بھی کام انجام دیا اور جب ۱۹۲۱ء میں اورنگ آباد کالج کا قیام عمل میں آیا تو دفتر صدر مہتممی سے محمد علی صاحب کا تبادلہ بھی اورنگ آباد کالج کے دفتر میں ہو گیا۔ الغرض وہ سالہا سال مولوی صاحب کے حیدرآباد چھوڑنے تک ان کی خدمت میں رہے اور سرکاری امور کے علاوہ انجمن کے ساتھ ساتھ مولوی صاحب کے خانگی کام بھی انجام دیتے رہے۔ خطوط میں مولوی صاحب نے سرکاری کاموں سے زیادہ انجمن کے اور اپنے خانگی کاموں کے بارے میں لکھا ہے اس سے خود اندازہ ہوگا کہ مولوی صاحب کی نظر میں محمد علی صاحب کی شخصیت کتنی اہم تھی۔

مولوی صاحب کے محمد علی صاحب سے جو تعلقات تھے اس کے اظہار کیلئے میں نے ایک انٹرویو لیا اور اس کی پوری روداد قومی زبان میں اشاعت کیلئے بھیجدی تاکہ وہ قومی زبان کے بابائے اردو نمبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہو سکے لیکن یہ ۱۹۶۵ء میں شائع نہ ہو سکا شاید ۱۹۶۶ء میں نکلے۔

محمد علی صاحب کے تین لڑکے۔ محمد احمد اللہ، محمد حمید اللہ، محمد سعید اللہ اور تین لڑکیاں خیر النسا، سعید النسا اور حبیب النساء ہیں۔ محمد احمد اللہ نے اگریکلچر کالج سے بی وی ایس سی کرنے کے بعد سرکاری وظیفہ سے کوئمبتور کالج سے ڈپلوما حاصل کیا اور سررشتہ زراعت میں مددگار کی حیثیت سے مامور رہے اس کے بعد امریکہ جاکر ایم ایس کی ڈگری حاصل کی اب ایگریکلچر یونیورسٹی میں مامور ہیں فی الوقت پی ایچ ڈی کیلئے امریکہ گئے ہیں اور تین سال تک وہیں رہیں گے۔

محمد حمید اللہ نے بی کام اور تجارت ہند کے اعلیٰ امتحانات کامیاب کئے اور رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی کے دفتر میں ملازم ہوئے اب توقع ملنے پر کناڈا میں ملازم اور مقیم ہیں یہ سٹی کالج میں میرے شاگرد بھی رہ چکے ہیں محمد سعید اللہ کالج میں زیر تعلیم ہیں اول الذکر دونوں لڑکیاں گریجویٹ ہیں اور چھوٹی لڑکی نے پی۔ یو سی کامیاب کرنے کے بعد لیاب ٹیکنیشین کی سند حاصل کی اور دواخانہ عثمانیہ کے پتھالوجیکل لیاب میں ملازم ہے اور اب اس نے بی ایس سی کا امتحان دیا ہے مولوی صاحب نے اپنے ایک خط میں اس مختصر آمدنی میں بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے پر محمد علی صاحب کو مبارکباد دی ہے

مولوی صاحب کے چوتھے مکتوب الیہ ربانی صاحب پلول (مضافات دہلی) کے رہنے والے ہیں۔ یہ ۱۸۹۸ء میں متوسط درجہ کے زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم تو گھر پر ہوئی گر پھر دہلی بھیج دیئے گئے جہاں سے ۱۹۱۰ء میں میٹرک پاس کیا اور سینٹ اسٹیفنز کالج میں داخلہ لیا۔ حالات ناساعد ہوئے تو ترک تعلیم کے بعد دہلی ہی میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم ہوئے آڈٹ آفس کی ملازمت انھیں راس نہ آئی اس لیے جوں توں چار سال گذار کر استعفا دیدیا

انھیں دنوں مسٹر محمد علی (بعد کو مولانا) کلکتہ سے "کامریڈ" کو دلی لائے اور "ہمدرد" جاری کیا غلام ربانی صاحب ان اخباروں کے دفتر میں خازن مقرر ہوئے ان کے ساتھ کام کرنے والوں میں سید جالب دہلوی، راجہ غلام حسین قاضی عبدالعزیز قاضی عبدالغفار، میر محفوظ علی بدایونی عارف ہسوی، ضیاالدین برنی، غلام محمد طور اور سید ہاشمی فرید آبادی وغیرہ شریک تھے۔ چند ہی دنوں میں کامریڈ بند ہوا اور محمد علی نظر بند ہو گئے اور ہر ایک نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔

راجہ غلام حسین نے لکھنو سے "نیو ایرا" جاری کیا اور مینیجری ربانی صاحب کے حصے میں آئی لیکن سال بھر بعد راجہ صاحب گھوڑے کی ٹکر سے جانبر نہ ہو سکے۔

شعیب قریشی صاحب نے اخبار کی ادارت اپنے ذمہ لی کچھ دن بعد اخبار کی ضمانت ضبط ہو گئی اور ربانی صاحب پھر "خاک وطن از سنبل و ریحاں خوشتر" کہتے ہوئے یلول کے گوشہ عافیت میں پہنچ گئے۔

مولوی عبدالحق صاحب اس وقت اورنگ آباد میں اپنی انجمن کی بساط بچھا چکے تھے۔ ربانی صاحب کو بلا کر انھوں نے کہنے کو تو مدرسہ فوقانیہ میں مدرسی پر مامور کر دیا لیکن اصل کام انجمن کا لیا۔ وہ مولوی صاحب کے مہمان بنے ان کے تمام کاموں میں ہاتھ بٹاتے رہے کتابوں کے مسودے دیکھتے، ترجمے کی صحت و عدم صحت کی جانچ کرتے۔ دوسرے ایڈیشن کی کتابوں کی بلحاظ زبان تصحیح کرتے۔ مولوی صاحب کے سامنے بیٹھے ایک ایک بجے رات تک کرم خوردہ مخطوطات پڑھنے میں مدد دیتے ان کو ٹھکانے سے رکھتے۔ جب درسیہ عثمانیہ کے نام سے ریڈروں کا سلسلہ تیار ہوا تو مولوی صاحب اور وہاج الدین صاحب شمیم کے ساتھ تیسرے کام کرنے والے آدمی ربانی صاحب ہی تھے۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے جو ترجمے آتے اس کی اصلاح و ترتیب میں بھی مولوی صاحب کا ہاتھ بٹاتے اور فرہنگ، اصطلاحات علمیہ کی تیاری میں بھی مولوی صاحب کا ساتھ دیتے اردو لغت کی تدوین میں بھی برسوں مولوی صاحب کے شریک کار رہے۔

جب انجمن دلی گئی تو غلام ربانی صاحب نے غلام یزدانی مرحوم ناظم آثار قدیمہ کی خواہش پر حیدرآباد کا رُخ کیا اور ان کے محکمے میں منتقل ہو گئے اور یہیں سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے لیکن آج تک بھی وہ انجمن ترقی اردو حیدرآباد میں کام کیے جا رہے ہیں۔

غلام ربانی صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ خوش قسمت ہیں کہ اس سال کے آخر میں اپنی شادی کی گولڈن جوبلی منا رہے ہیں۔

ان کے دو لڑکے ہیں ایک غلام یزدانی جو اسسٹنٹ اکونٹ افسر ہیں۔

اور دوسرے غلام جیلانی انجینرنگ کالج میں لکچرار ہیں، دو لڑکیاں ہیں اور دونوں سائنس کی گریجویٹ ہیں۔

پانچویں مکتوب الیہ ابو محمد عمر بن صلاح یافعی تھے وہ عرب تھے لیکن دکن میں عرصہ دراز کے قیام نے ان میں اردو ادب اور شاعری سے لگاؤ پیدا کر دیا تھا۔ ان کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم حیدرآباد ہی میں ہوئی۔ دارالعلوم سے منشی کا امتحان کامیاب کیا اور ابتدا محکمہ فینانس میں بیس روپے تنخواہ پر ملازم ہوئے پھر صدر محاسبی (دفتر اکونٹنٹ جنرل) میں منتقل ہوئے یہاں کچھ دن کام کرنے کے بعد سید خورشید علی ناظم دیوانی و مال ملکی (ریکارڈ آفس) نے سکنڈ گریڈ (۸۰ تا ۱۲۵) پر انھیں اپنے دفتر میں لے لیا اور وہ یہیں سے وظیفہ پر علیحدہ ہوئے۔

یافعی صاحب کو قدیم کتابوں کے خریدنے اور جمع کرنے انھیں پڑھکر تحقیق کرنے اور ان پر مضامین لکھنے کا شوق تھا اور اسی شوق نے انھیں مجلہ "مکتبہ" کی مجلس ادارت میں بھی پہنچایا اور مولوی صاحب سے متعارف بھی کرایا۔ "مجلہ مکتبہ" میں دکنی ادیبوں ان کے مضامین شائع ہوتے اور مخطوطات کے بارے میں مولوی صاحب اور یافعی صاحب ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے۔ یافعی صاحب کے مضامین کا کوئی مجموعہ شائع نہ ہوا اس لئے انھیں خاطر خواہ شہرت بھی نصیب نہ ہوئی البتہ جب انھوں نے اپنا دس ہزار کتب (مخطوطات و مطبوعات) کا ذخیرہ پاکستان میں مولوی عبدالحق صاحب کی نذر کر دیا اس وقت انکی اچانک شہرت ہوگئی۔ ان کی اس دین نے انھیں عوام سے روشناس کرایا۔ وہ جو کچھ لکھتے گہرے مطالعے کا نتیجہ ہوتا اس لئے وہ زود قلم نہ تھے اور نہ شہرت کے طلبگار۔ وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہونے کے بعد گوشۂ عزلت میں زندگی گذارتے رہے۔ آخری دور میں مولوی صاحب کی خدمت میں کراچی پہنچے اور جشن پنجاہ سالہ کے موقع پر کتب خانہ نذر کر دیا۔ خطوط کے مطالعہ سے اس پہ روشنی پڑے گی

مولوی صاحب کے پچاسوں خطوط ان کے نام تھے لیکن مشمولہ خطوط کے سوا دیگر خطوط تک میری رسائی نہ ہو سکی۔ یافعی صاحب پاکستان سے حیدرآباد واپس ہوئے اور ۱۹۵۹ء میں انتقال کیا۔

آخری شخصیت عبدالرحیم خاں صاحب فیضی کی ہے جو مقبرہ رابعہ دورانی میں داروغہ کی چھوٹی سی خدمت پر مامور تھے لیکن ان کی طبیعت کی نفاست سے انگریز بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ اسی لئے لیڈی سر اکبر حیدری نے انھیں فیضی کا نام دیدیا اور اب بھی دوست احباب میں فیضی کے نام سے مشہور رہیں۔ اصل نام سے کم ہی لوگ واقف ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ چند اور حضرات کے نام ایک ایک دو دو خط ہیں اس لئے ان کا تعارف ضروری نہیں سمجھا گیا۔

ظفرالرحمن مرحوم۔ سید ساجد علی صاحب، منشی محمد علی صاحب غلام ربانی صاحب اور فیضی صاحب سب مولوی صاحب کے ماتحت رہے لیکن خطوط کے مطالعے سے واضح ہوگا کہ مولوی صاحب نے انھیں اپنا ماتحت نہیں بلکہ چھوٹا بھائی سمجھا۔ ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد جانا اور ان کی خوشیوں میں حصہ لے کر انھیں خوشیوں سے معمور کر دیا زجر و توبیخ کی نوبت آئی تو ایسے انداز میں لکھا کہ پڑھنے والوں کے لبوں پر مسکراہٹ آئے بغیر نہ رہ سکی۔ مولوی صاحب نے سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں ایک لاکھ سے کچھ زیادہ ہی خط لکھے ہیں مگر انھوں نے اپنے عملے والوں کو جو خط لکھے اس کی حلاوت لذت، عذب و شیرینی کچھ اور ہی ہے۔ وہ بڑے لوگوں اور برابری والوں میں اتنے نہیں کھلتے جتنے ماتحتوں میں کھلتے ہیں۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مولوی صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ تقریباً نصف صدی انھیں لوگوں کے ساتھ گذری، کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا لکھنا پڑھنا سیر و تفریح غرض

یہ لوگ ہر وقت ان کے ساتھ تھے۔ چند ہم عصر ہیں "نور خاں" اور نام دیو مالی پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے

کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

یہ صحیح ہے کہ وہ مضامین چھپنے کیلئے لکھے جا رہے تھے لیکن یہ قلم برداشتہ خطوط بھی اس سے کہیں زیادہ رنگین، دلاویز اور شگفتگی لئے ہوئے ہیں۔ مولوی صاحب سراپا ناز تھے اور یہ لوگ سراپا نیاز لیکن مولوی صاحب نے زندگی بھر ان سب کی ناز برداری کی۔ بارہ پندرہ سو روپے پانے والا عہدہ دار فرعون بے سامان ہوتا ہے۔ اور ماتحتین اپنے عہدہ دار کے سامنے الامان والحفیظ کا ورد کرتے ہوئے جاتے ہیں لیکن مولوی صاحب کا کوئی ماتحت ایک دفعہ ان سے ملنے کے بعد کبھی گھبرایا نہیں۔ بلکہ بوڑھوں نے ان کو اپنا بھائی سمجھا اور نوجوانوں نے باپ اور وہ دورہ پر دیہات میں پہنچے تو دیہاتیوں نے وضع قطع دیکھ کر انھیں مرشد اور ولی سمجھنے سے بھی دریغ نہ کیا اور جب مولوی صاحب نے ان سے چندہ مانگا تو اپنی بساط سے بڑھ کر دیا۔

مولوی صاحب کے کردار کا یہ پہلو ان سب خطوط میں نمایاں ہے اور ان خطوط کو پیش کرنے کا مقصد بھی ہے کہ یہ خطوط مولوی صاحب کی عظمت کو اور زیادہ بلند کر دیں گے۔

میں ان خطوط کیلئے سب سے پہلے محمد علی صاحب کا شکر گذار ہوں کہ ان خطوط کو پڑھنے کی ترغیب دی اور جب میرے شوق نے ھل من مزید کہا تو اپنے پاس سے کچھ اور خط دئے اور ساجد علی صاحب غلام ربانی صاحب اور پنڈت دتاتریہ دھر کے حوالے دئے۔ میں نے ان حضرات سے درخواست کی تو فوراً قبول کر لی گئی۔ لیکن پنڈت جی کے خطوط جلد نہ مل سکے جب ملے تو انھوں نے

اسکا ذکر گھر میں سب سے کیا ایک کام کے لئے وہ دلی گئے اور وہیں سرگباش ہوگئے
کافی عرصہ بعد میں نے پنڈت جی کی اہلیہ محترمہ سے درخواست کی اور انھوں نے
انگریزی خطوط میرے حوالے کئے اور وہ مضمون بھی دیا جو مولوی صاحب نے پنڈت جی
کی ساٹھویں سالگرہ پر لکھا تھا اور جو قومی زبان (جلد ۱۷ شمارہ ۱۲ - ۱۶ر جون ۱۹۶۱ء)
میں شائع ہوچکا ہے۔ میں پنڈت جی کا تعارف کرانے کی بجائے اسی مضمون کو
بطور تعارف پیش کر رہا ہوں۔ میں نے پنڈت جی سے بی۔اے میں ہندی پڑھی
ہے اور بعد بھی ادارہ ادبیات اردو اور ہندی پرچار سبھا کے تعلق سے ملتا رہا ہوں
میں پنڈت جی کی اہلیہ محترمہ اور ان کے جواں سال ہونہار صاحبزادوں
کا ممنون ہوں کہ انھوں نے خطوط شائع کرنے کی اجازت دی۔

عبدالرحیم خاں صاحب فیضی کے خطوط کیلئے میں اپنے کرم فرما جناب سکندر علی صاحب
وجد صدر انجمن ترقی اردو مہاراشٹر کا ممنون ہوں کہ انھوں نے یہ خطوط مجھے بھیجے
خواہ ان کی تعداد کم اور ادبی لحاظ سے ان کی اہمیت بھی نہ ہو لیکن ان سے
مولوی صاحب کی اس صفت پر مزید روشنی پڑتی ہے کہ وہ اپنے ملازمین
کا کس قدر خیال رکھتے تھے اس طرح یہ خطوط بھی مولوی صاحب کے کردار کے
شاہد ثابت ہوتے ہیں۔

آخر میں اپنے محترم و مشفق استاد جناب پروفیسر سید محمد صاحب
(صاحب گلشن گفتار و ارباب نثر اردو) کا ممنون ہوں کہ اس کی طباعت
کے سلسلے میں ان کے مشوروں کو بھی دخل رہا ہے۔

محمد اکبر الدین صدیقی

چار قندیل آغا پورہ
حیدرآباد دکن